حدیث وسنت

تحریر: شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ مدنی
عربی سے ترجمہ: محمد اسلم صدیق

عورت کی امامت احادیث کی روشنی میں

زیر بحث مسئلہ یہ ہے کہ کیا عورت کا مردوں اور عورتوں کو اکٹھے امامت کروانا درست ہے؟ کیا عورت صرف عورتوں کو امامت کرواسکتی ہے یا مردوں کو بھی اس کا امامت کروانا ثابت ہے؟

الجواب بعون الوھاب: عورت کا مردوں اور عورتوں کو اکٹھے امامت کروانا ثابت نہیں ہے اور نہ ہی اکیلے مردوں کو امامت کروانا ثابت ہے۔ اب رہا یہ مسئلہ کہ کیا عورت صرف عورتوں کی امامت کرواسکتی ہے؟ تو حضرت عائشہ صدیقہؓ اور دیگر صحابیاتؓ سے اس کا جواز ثابت ہے،لیکن شرط یہ ہے کہ وہ عورتوں کی صف کی درمیان میں کھڑی ہوکر ہی امامت کروائے۔عورت کی امامت کے بارے میں اس کے علاوہ اور کچھ بھی ثابت نہیں ہے۔

ذیل میں ہم ان دلائل کا تذکرہ کریں گے جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عورت مردوں کی امام نہیں بن سکتی اور وہ صرف عورتوں کو ان کے درمیان میں کھڑے ہوکر امامت کرواسکتی ہے۔

① حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«خير صفوف الرجال أولها وشرها آخرها وخير صفوف النساء آخرها وشرها أولها» (صحیح مسلم:۱۵۹/۴)

''مردوں کی بہترین صف پہلی ہے اور بری صف آخری ہے، جبکہ عورتوں کی بہترین صف آخری ہے اور بری صف پہلی ہے۔'' یعنی مردوں کے قریب ترین

قابل استدلال پہلو یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کی پہلی صف کو بدترین قرار دیا ہے تو جب وہ مردوں سے آگے بڑھ کر ان کی امامت کروائے گی تو ظاہر ہے کہ شر اور قباحت مزید بڑھ جائے گی۔ اس پر یہ اعتراض قطعاً درست نہیں ہے کہ یہ واقعہ صرف دورِ رسالتؐ کے ساتھ خاص ہے، کیونکہ شریعتِ محمدیہؐ عالمگیر اور دائمی ہے، اس کی تخصیص دورِ رسالت سے

©rasailojaraid.com

ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

② حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ

ان کی دادی مُلیکہ نے رسول اللہ ﷺ کو کھانے پر بلایا جو اس نے آپ ﷺ کے لئے تیار کیا تھا۔ (آپ ؐ تشریف لائے) کھانا تناول کیا اور اس کے بعد فرمایا: «قوموا فأصلي بكم» ''اُٹھو، میں تمہیں نماز پڑھاؤں۔'' حضرت انس ؓ کا بیان ہے میں نے ایک چٹائی پکڑی جو پرانی ہونے کی وجہ سے سیاہ ہوچکی تھی۔ میں نے اسے پانی سے صاف کیا۔ نبی کریم ؐ اس پر کھڑے ہوگئے۔ میں نے اور ایک یتیم بچے نے آپ ؐ کے پیچھے صف بنائی اور بوڑھی (دادی) ہمارے پیچھے کھڑی ہوئی۔ اس کے بعد رسول ؐ نے دو رکعات پڑھائیں اور سلام پھیر دیا۔''

(صحیح بخاری:۸۶۰، صحیح مسلم:۱۶۲/۵)

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے امت کے سامنے امامت کا صحیح طریقہ عملی شکل میں پیش کردیا ہے کہ عورتیں نماز میں مردوں کے پیچھے کھڑی ہوں گی۔ اس کے برعکس اگر عورت مردوں کی امام بن جائے اور مرد اس کے پیچھے کھڑے ہوں تو ایسی نماز کو فقہا نے فاسد قرار دیا ہے۔ لہٰذا عورت کا مردوں کو امامت کروانا درست نہیں ہے۔

(الاختیار لتعلیل المختار:۱/۵۷، بدائع الصنائع:۲/۶۱۸)

③ حضرت ابوبکرہ ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لن يفلح قوم ولّوا أمرهم امرأة» (صحیح بخاری:۷۰۹۹)

''وہ قوم کامیابی وفلاح کا منہ نہیں دیکھ سکتی جس نے عورت کو اپنے اُمور کا سربراہ بنالیا۔''

وجہِ استدلال یہ ہے کہ جب دیگر معاملات میں عورت کی سربراہی اور امامت کسی قوم کی ذلت اور ناکامی کا پیش خیمہ ہے تو نماز سے کوئی امر بڑھ کر نہیں ہوسکتا، اس میں عورت کو امام بنانا کیا ہماری تباہی کا پیش خیمہ نہیں بنے گا؟ عورت کو امام بنانا گویا اس بات کا واضح ثبوت فراہم کرنا ہے کہ اُمتِ محمدیہ اب اس حد تک گرچکی ہے کہ مرد جن کو اللہ نے قوامیت وامامت کا منصب سونپا تھا، ان میں اب کوئی بھی امامت کا اہل نہیں رہا۔ (السیل الجرار۱/۲۵۰)

④ ابوسعید خدری ؓ سے مروی ایک طویل حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو

© rasailojaraid.com

مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''میں نے عقل و دین میں ناقص ان عورتوں سے بڑھ کر کسی اور کو نہیں دیکھا جو دانا آدمی کی مت ماردیتی ہوں۔'' عورتوں نے پوچھا: اے اللہ کے رسولؐ! ہمارے دین اور عقل میں کیا خرابی ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مردوں کے مقابلے میں تمہاری گواہی کا آدھا ہونا تمہارے نقص عقل کی دلیل ہے اور حالتِ ماہواری میں تمہارا نماز اور روزہ سے دستکش ہوجانا تمہارے نقص دین کی دلیل ہے۔'' (صحیح بخاری:۲۰۰۴،مسلم:۱/۸۶)

جب عورت عام معاملات میں بھی مرد کی ہم سری کا دعویٰ نہیں کرسکتی تو امامتِ نماز جو نہایت اعلیٰ اور ارفع منصب ہے، مرد کی جگہ میں عورت کو اس منصب پر فائز کرنا اور ناقص کو کامل کا امام بنانا بھلا کیسے درست ہوسکتا ہے؟ (دیکھئے:مغنی المحتاج:۱/۲۴۰)

④ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ﴾ ''مرد عورتوں پر قوام ہیں۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ولایت اور امامت کا منصب اللہ نے مردوں کو سونپا ہے، عورتوں پر اس کا بار نہیں ڈالا تو نماز کی امامت بھی اسی امامتِ کبریٰ کی ایک قسم ہے، لہٰذا عورت مرد کی امام نہیں بن سکتی جو کہ اس کا قوام و نگہبان ہے۔

قرونِ ثلاثہ میں جنہیں رسول اللہ ﷺ نے بہترین ادوار قرار دیا ہے، کہیں بھی یہ ذکر موجود نہیں کہ عورتوں نے کبھی مردوں کی امامت کروائی ہو، اگر کبھی کوئی ایسا واقعہ پیش آتا تو تاریخ کبھی اسے نظر انداز نہ کرتی۔ لہٰذا تاریخ میں کسی ایسے واقعہ کا نقل نہ ہونا اس حقیقت کی واضح دلیل ہے کہ شریعت نے عورت کو مردوں کی امامت سے گراں بار نہیں کیا۔

(کتاب الام از شافعی:۱/۱۶۴، بداية المجتهد : ۱/۱۵۶)

امامت اگر منصبِ عظیم ہے تو اس کی ذمہ داری اور تقاضے بھی اسی قدر بڑے ہیں تو پھر یہ کہاں کا انصاف ہے کہ جس ذمہ داری سے اللہ نے عورت کو معاف رکھا ہے، اس پر خواہ مخواہ اس عظیم ذمہ داری کا بار ڈال دیا جائے؟ ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو باجماعت نماز کا سرے سے پابند ہی نہیں کیا، نہ ہی مردوں کی طرح اُن کا مسجد میں جاکر نماز پڑھنا فرض ہے۔

© rasailojaraid.com

حدیث اُمّ ورقہ کی اسانید اور ان پر حکم

یہاں اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اُمّ ورقہ نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے گھر میں مؤذن مقرر کرنے کی استدعا کی تھی جو ان کے گھر میں اذان دیتا تھا اور رسول اللہ ﷺ نے اُم ورقہؓ کو اجازت دے رکھی تھی کہ وہ اپنے گھر والوں کی امامت کروائے۔اس حدیث کے راوی عبدالرحمٰن بن خلاد کہتے ہیں کہ میں نے اُم ورقہ کے مؤذن کو دیکھا ، وہ انتہائی ضعیف العمر آدمی تھا۔تو لفظ اہل الدار سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے گھر کے مرد وزن اور غلام سب کو امامت کرواتی تھی لہٰذا عورت کی امامت جس طرح عورتوں کے لئے جائز ہے، مردوں کے لئے بھی جائز ہے۔یہی وجہ ہے کہ امام ابوثور، مزنی، طبری کا بھی یہی موقف ہے۔(المغنی:۲/۱۹۹)

جواب : یہ اعتراض دراصل اس مذکورہ روایت کی حقیقت کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔لہٰذا چند اُمور کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے:

① سب سے پہلے اس حدیث کے تمام طرق کو ذکر کرتے ہوئے ان کے رواۃ کے احوال کو واضح کیا جائے گا کہ سند کے لحاظ سے یہ حدیث کس پایہ کی ہے۔

② یہ واضح کیا جائے گا کہ اسلافِ اُمت نے اس حدیث سے کیا سمجھا ہے، قطع نظر اس کے کہ لغت میں لفظ 'دار' کس معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

③ آخر میں یہ واضح کیا جائے گا کہ مذکورہ ائمہ کی طرف عورت کی امامت کے جواز کی نسبت میں کس حد تک صداقت ہے اور اس نسبت کی حقیقت کیا ہے؟

اُمید ہے ان امور کی وضاحت سے اصل حقیقت مبرہن ہو جائے گی۔

جہاں تک اس حدیث کے مختلف طرق کا تعلق ہے تو واضح ہو کہ اس حدیث کو امام ابوداود نے کتاب الصلوٰۃ (رقم:۵۷۷)، امام حاکمؒ نے مستدرک (۱/۲۰۳)،امام احمدؒ نے اپنی مسند(۶/۴۰۵)، امام دارقطنیؒ نے اپنی سنن (۱/۴۰۳) امام بیہقیؒ نے السنن الکبریٰ (۳/۱۳۰) اور ابن خزیمہؒ نے اپنی صحیح (۳/۸۹) میں روایت کیا ہے۔

اب ان طرق کی اسانید ملاحظہ ہوں:

© rasailojaraid.com

❁ امام ابوداود باب إمامة النساء کے تحت بیان کرتے ہیں:

حدثنا عثمان بن أبي شيبة، حدثنا وكيع بن الجراح حدثنا الوليد بن عبد الله بن جميع حدثتني جدتي وعبدالرحمن بن خلاد الأنصاري عن أم ورقة بنت نوفل

❁ امام حاکمؒ مستدرک میں فرماتے ہیں:

أخبرنا أبوعبدالله محمد بن عبدالصفار حدثنا أحمد بن يونس الضبي حدثنا عبدالله بن داوٗد الخريبي، حدثنا الوليد بن جميع عن ليلىٰ بنت مالك وعبدالرحمٰن بن خالد الأنصاري عن اُم ورقة الأنصارية: أن رسول الله ﷺ ......

اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد امام حاکمؒ نے لکھا ہے کہ

وهذه سنة غريبة لا أعرف في الباب حديثًا مسندًا غير هذا وقد روينا عن عائشة أنها كانت تؤذن و تقيم وتؤم النساء

''یہ غیر مانوس سنت ہے، میں اس باب میں اس کے علاوہ کسی مسند حدیث کو نہیں جانتا۔اور حضرت عائشہؓ کے بارے میں ہم نے روایت کیا ہے کہ وہ اذان اور اقامت کہتی اور عورتوں کو امامت کرواتی تھیں۔''

اس کے بعد اپنی سند سے حضرت عائشہؓ کے بارے میں روایت کیا ہے:

أنها كانت تؤم النساء وتقوم و سطهن

''وہ عورتوں کی امامت کرواتی تھیں اور ان کے درمیان میں کھڑی ہوتی تھیں۔''

❁ امام احمدؒ مسند میں اپنی سند سے بیان کرتے ہیں:

عن الوليد بن عبدالله بن جُميع قال حدثني عبدالرحمٰن بن خلاد الأنصاري وجدتي عن اُم ورقة

امام احمدؒ نے اسے ایک دوسری جگہ پر درج ذیل طریق سے بیان کیا ہے:

قال حدثنا أبونعيم حدثنا الوليد حدثتني جدتي عن اُم ورقة

❁ امام دارقطنیؒ اپنی سند سے بیان کرتے ہیں:

© rasaieljaraid.com

حدثنا أبو أحمد الزبيري حدثنا الوليد بن جميع حدثتني جدتي عن اُم ورقة

❁ امام بیہقیؒ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

عن الوليد بن جميع قال حدثتني جدتي وعبدالرحمٰن بن خلاد الأنصاری عن اُم ورقة بنت عبدالله

❁ ابن خزیمہؒ نے بھی اسی سند سے اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔

ان تمام اسانید کے تناظر میں دیکھتے ہوئے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس حدیث کا مرکزی راوی الولید بن جمیع ہے جو اپنی دادی سے روایت کرتا ہے جس کی متابعت عبدالرحمٰن بن خلادالانصاری نے بھی کی ہے۔ زیرنظر سطور میں ہم الولید کے حالات بیان کرتے ہیں:

■ الولید بن عبداللہ بن جمیع کے متعلق امام احمدؒ اور ابوداودؒ کہتے ہیں: لا بأس به ابن معینؒ اور امام عجلیؒ نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے اور امام زرعہؒ نے کہا: لا بأس به ابوحاتمؒ نے اسے صالح الحدیث کہا ہے۔ان کے برعکس عمرو بن علی کا بیان ہے کہ

''یحییٰ بن سعید القطان ہمیں اس سے حدیث بیان نہیں کرتے تھے۔''

علامہ ابن حجرؒ التهذيب (۱۱/۱۲۲) میں مذکورہ تمام اقوال کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''ابن حبانؒ نے اسے ضعفا میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ ابن جمیع ثقات سے بعض ایسی چیزیں بیان کرنے میں منفرد ہے جو ثقات کی بات سے موافق نہیں ہوتیں اور اس سے بکثرت یہ امر سرزد ہوا ہے، لہٰذا اس کی حدیث سے استدلال کرنا باطل ہے۔''

میرے خیال میں اسی لیے امام حاکمؒ نے اپنی مستدرک میں اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد یہ تبصرہ کیا ہے: هذه سنة غريبة لا أعرف في الباب حديثا مسندًا غير هذا ''یہ اس باب میں ایک غیر مانوس سنت ہے، میں اس حدیث کے علاوہ کسی مسند حدیث کو نہیں جانتا۔''

امام عقیلیؒ نے کہا: ''اسکی حدیث میں اضطراب ہے۔'' امام بزارؒ نے اس کے متعلق کہا ہے کہ ''علما نے اس سے حدیث لی ہے، البتہ اس میں شیعیت پائی جاتی ہے۔'' امام حاکمؒ نے کہا: ''اگر امام مسلمؒ ان سے روایت نہ لیتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔'' ابن حجرؒ نے التقریب (رقم: ۷۴۸۲) میں اس اختلاف کا خلاصہ ان الفاظ میں ذکر کیا ہے: صدوق يهِمُ رُمي بالتشيع

''یہ صدوق وہمی ہے، البتہ اس پر شیعیت کا الزام ہے۔''

یہ توثیق کا پانچواں درجہ ہے اور ابن صلاحؒ نے اس کے حکم کے بارے میں اپنی کتاب علوم الحدیث ص۱۱۰ میں ابن ابی حاتمؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ

إذا قيل إنه صدوق أومحلُّه الصدق أولابأس به فهو ممن يكتب حديثه وينظر فيه

''جب کسی کے بارے میں یہ کہا جائے کہ وہ 'صدوق' ہے یا 'صدق کے 'قائم مقام' ہے یا اس کے بارے میں 'لا بأس به' کہا جائے تو ایسے راوی کی حدیث لکھی جائے گی، البتہ اس کے بارے میں تحقیق کی جائے گی۔''

جب یہاں ساتھ وہم کا اضافہ بھی ہے جو مزید کمزوری کی طرف اشارہ ہے۔ ابن صلاحؒ ان کے قول کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قلت: هذا كما قال، لأن العبارة لا تشعر بشريطة الضبط فينظر في حديثه ويختبر حتى يعرف ضبطه

''ابن ابی حاتمؒ کی بات بجا ہے کیونکہ ایسی عبارت راوی میں ضبط کی شرط کے وجود پر دلالت نہیں کرتی لہٰذا اس کی حدیث میں غور کیا جائے گا اور اس کا جائزہ لیا جائے گا تاوقتیکہ اس کے ضبط کا علم ہو جائے۔''

اسی مفہوم کو ڈاکٹر محمود طحان نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

أما المراتب الثلاث الأولى فيحتج بأهلها وأما المرتبتان الرابعة والخامسة فلا يحتج بأهلها ولكن يكتب حديثهم ويختبر ضبطهم بعرض حديثهم على أحاديث الثقات المتقنين فإن وافقهم احتج بحديثهم وإلا فلا وبناء على هذا فإن من قيل فيه صدوق فإنه لا يحتج بحديثه قبل الاختبار وقد وهم من قال إن من قيل فيه صدوق فحديثه حسن لأن الحديث الحسن من نوع المحتج به وعلى هذا أئمة الجرح والتعديل وحفاظ الحديث (أصول دراسة الأسانيد: ص۱۴۵)

''پہلے تین مراتب کے حاملین کی حدیث قابل استدلال ہے، البتہ چوتھے اور پانچویں

© rasailojaraid.com

مرتبے کے راویوں کی حدیث قابل استدلال نہیں البتہ ان کی حدیث لکھی جائے گی اور اس کے بعد اسے پختہ کار ثقہ رواۃ کی احادیث پر پیش کر کے پرکھا جائے گا۔ اگر وہ ان کے ساتھ موافق ہو تو قابل استدلال وگرنہ نہیں۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جس راوی کو محدثین نے صدوق قرار دیا ہو، اس کی حدیث تحقیق اور پرکھ کے بغیر قابل استدلال نہیں ہے، لہٰذا جس نے صدوق کی حدیث کو حسن قرار دیا ہے، اسے وہم ہوا ہے کیونکہ حسن حدیث قابل حجت ہے۔ ائمہ جرح و تعدیل اور حفاظ حدیث کا یہی موقف ہے۔''

محدثین کے اس اُصول کے پیش نظر ہم یہ بات بلا خوفِ تردید کہہ سکتے ہیں کہ جس نے بھی اس حدیث کو حسن کہا ہے، اُس نے محدثین کے اس اصول سے انحراف کیا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ مزید معلومات کے لیے ملاحظہ ہو: مقدمة الجرح والتعديل از ابن ابی حاتمؒ اور علوم الحديث از ابن صلاحؒ (ص۱۱۰) والتقريب مع التدريب (۳۴۳/۱) اور فتح المُغيث (۳۶۸/۱) وغیرہ

❁ اگر اس پر یہ اعتراض کیا جائے کہ آپ نے جو اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے، کیا اس سے قبل بھی علما نے اس حدیث پر ضعف کا حکم لگایا ہے یا محض قواعد کو سامنے رکھ کر آپ نے اس حدیث کو ضعیف کہہ دیا ہے؟

تو ہمارا جواب یہ ہے کہ اگرچہ اس حدیث کو متعدد ائمہ نے حسن قرار دیا ہے، لیکن کئی علما نے اس کو ضعیف بھی کہا ہے۔ چنانچہ مسند احمد پر الموسوعة الحديثية کے نام سے تحقیق کرنے والے علما نے مذکورہ سند کی بنیاد پر اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (دیکھئے: مسند احمد، رقم: ۲۷۲۸۲، ۲۷۲۸۳) لہٰذا ہم اس حدیث کو ضعیف قرار دینے میں منفرد نہیں ہیں۔

اور میں اس سے قبل یہ وضاحت کر چکا ہوں کہ جن حضرات نے اس حدیث کو حسن کہا ہے، اُنہوں نے دراصل اس اصولی قاعدہ سے چشم پوشی کی ہے کہ صدوق راوی کی روایت کو تحقیق و پرکھ سے قبل 'حسن' قرار نہیں دیا جا سکتا۔

■ اب ہم جائزہ لیتے ہیں اس حدیث کے دوسرے راوی عبدالرحمٰن بن خلاد الانصاری کا جنہوں نے اس حدیث میں عبداللہ بن جمیع کی دادی کی متابعت کی ہے۔

© rasailojaraid.com

ابن قطانؒ نے اس کو الوهم والإيهام (۲۳/۵) میں مجہول الحال قرار دیا ہے۔ یہی بات ابن حجرؒ نے بھی التہذیب میں ابن قطانؒ سے نقل کی ہے ۔مسندامام احمد کے محققین نے اس کو اسی بنا پرضعیف قرار دیا ہے۔

■ نیز عبداللہ بن جمیع کی دادی، جس کی متابعت کی گئی ہے، اس کا نام مستدرک حاکم کی صراحت کے مطابق لیلیٰ بنت مالک ہے۔ (۲۰۳/۱)

اس کو بھی ابن قطانؒ نے الوھم والایھام (۲۳/۵) میں مجہول الحال قرار دیا ہے۔ علاوہ ازیں ابن حجرؒ التقریب (رقم ۸۹۰۹) میں وليد بن عبدالله عن جدته عن أم ورقة کے ترجمہ میں لکھتے ہیں: ''اسکی جدہ سے مراد لیلیٰ بنت مالک ہے جو غیر معروف ہے۔''

علما کی ان تصریحات سے یہ ثابت ہوا کہ لیلیٰ بنت مالک بھی مجہولہ ہے۔ چنانچہ ایسی روایت جس کے تمام طرق میں کلام ہو اور ہر طرق میں متعدد رواۃ مجہول الحال ہوں، کو بعض حضرات کا حسن قرار دینا نا قابل فہم اور قابل افسوس امر ہے۔ ایسی محتمل روایت سے اُمت میں فتنہ کی راہ ہموار ہوتی ہے۔

❁ اس روایت کے ضعیف ہونے کی ایک اور علت: طرق میں اضطراب

ابن حجرؒ التھذیب میں اس حدیث کی راویہ امّ ورقہؓ جنہیں رسول اللہ ﷺ نے امامت کی اجازت دی تھی، کے ترجمہ میں فرماتے ہیں:

''اس حدیث کو الولید بن عبداللہ بن جمیع نے اپنی دادی سے روایت کیا ہے اور بعض نے دادی کی جگہ پر ان کی ماں کا ذکر کیا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وليد عن جدته ليلىٰ بنت مالك عن أبيها عن أم ورقة۔ (گویا یہاں لیلیٰ بنت مالک اور اُمّ ورقہ کے درمیان لیلیٰ کے باپ کا واسطہ بھی ہے) اور یہ بھی کہا گیا کہ ولید نے اپنے دادا سے اور اُنہوں نے اُمّ ورقہ سے روایت کیا، گویا یہاں دادی کی بجائے دادا ہے اور ان کے درمیان اور کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اور بعض نے یہ سند اس طرح ذکر کی ہے کہ: وليد عن عبدالرحمٰن بن خلاد عن أم ورقة اور بعض کے نزدیک سند یوں ہے: عن عبدالرحمٰن بن خلاد عن أبيه عن أم ورقة قالت :استاذنت رسول الله ﷺ (یعنی اس میں سند کے

اختلاف کے علاوہ یہ ذکر ہے کہ ام ورقہؓ نے خود رسول ﷺ سے امامت کی اجازت طلب کی تھی)

طرق کا اس قدر اختلاف اس حدیث میں ضعف کی ایک شدید علت کی واضح نشاندہی کررہا ہے اور وہ ہے اضطراب جو ولید بن جمیع کی طرف سے واقع ہوا ہے اور مضطرب روایت بالاتفاق ضعیف، قابل ردّ اور ناقابل استدلال ہے۔

مسند احمد کے محققین اس حدیث کی دونوں سندوں کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''اس کی سند عبدالرحمٰن بن خلاد اور ولید بن عبداللہ بن جمیع کی دادی کے مجہول ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے، جیسا کہ ابن قطانؒ نے وضاحت کی ہے اور الولید کی دادی کا نام لیلیٰ بنت مالک ہے، نیز اس حدیث میں ولید بن عبداللہ بن جمیع اضطراب کا شکار ہوا ہے۔''

چنانچہ ابونعیم الفضل بن دکین نے اس کو روایت کیا، جیسا کہ مسند احمد کی مذکورہ روایت میں ہے جس کو ابن سعدؒ نے طبقات (۸/۴۵۷) میں، طبرانیؒ نے المعجم الکبیر (۲۵/۳۲۶) میں، امام بیہقیؒ نے السنن (۳/۱۳۰) اور الدلائل (۶/۳۸۱) میں ذکر کیا۔ نیز وکیعؒ بن جراح نے اس کو روایت کیا جس کو ابن ابی شیبہؒ نے المصنف (۱۲/۵۲۷) میں اور ابوداودؒ نے السنن (رقم ۵۹۱) میں اور ابن ابی عاصمؒ نے الآحاد (۳۳۶۶) میں اور ابن الاثیر نے اُسد الغابہ میں اُم ورقہؓ کے ترجمہ میں نقل کیا ہے۔ اس کے علاوہ محمد بن فضیل نے اس کو روایت کیا، جسے ابوداود نے رقم الحدیث:۵۹۲ میں نقل کیا۔ علاوہ ازیں اشعث بن عطاف نے اسے روایت کیا جسے دارقطنیؒ نے العلل (۵/۲۲۵) میں نقل کیا۔ ان تمام نے اس روایت کو الولید بن عبداللہ بن جمیع کے طریق سے مذکورہ سند کے ساتھ ہی روایت کیا ہے۔

لیکن صحیح ابن خزیمہ میں اس روایت کو عبداللہ بن داؤد الخریبی نے الولید بن عبداللہ بن جميع عن لیلیٰ بنت مالك عن أبيها کے طریق سے روایت کیا ہے اور عبدالعزیز بن ابان نے اسے الوليد عن عبدالرحمٰن بن خلاد عن أبيه عن أم ورقة کے طریق سے روایت کیا ہے۔ اسی طرح تحفة الأشراف بمعرفة الأطراف (۱۳/۱۱۰) میں انہوں نے عبدالرحمن بن خلاد عن أبيه عن أم ورقة کے طریق سے نقل کیا ہے۔ نیز واضح ہو کہ عبدالعزیز بن ابان متروک ہے۔ امام دارقطنیؒ نے السنن (۱/۴۰۳) میں اور

امام بیہقیؒ نے معرفة السنن والآثار (۲۳۰/۴) میں اس روایت کو الزبیري عن الولید بن جمیع عن جدته عن أم ورقة کے طریق سے نقل کیا ہے۔

ان تمام اسانید کا دارومدار الولید بن جمیع اور اس کی دادی پر ہے جو اس حدیث کے مرکزی راوی ہیں جن کے حالات سے آپ آگاہ ہوچکے ہیں۔ اسی وجہ سے مسنداحمد کی تحقیق (۲۵۵/۴۵) میں ان الفاظ کے ساتھ اس حدیث پر ضعف کا حکم لگایا گیا ہے:

إسناده ضعیف لجهالة جدة الولید

''اس کی سند الولید کی دادی کے مجہول ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔''

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث میں شدید اضطراب موجود ہے جس کی بنا پر یہ ناقابل حجت ہے۔

❁ کیا عورتوں کی امامت کے بارے میں کوئی صحیح حدیث ہے؟

اب سوال یہ ہے کہ آیا عورتوں کی امامت کے بارے میں کوئی صحیح روایت کتبِ احادیث میں موجود ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ کتبِ احادیث میں حضرت عائشہ صدیقہؓ اور اُم سلمہؓ کے متعلق مروی ہے کہ وہ عورتوں کی امامت کروایا کرتی تھیں۔

❶ ابوحازم ریطة الحنفیة سے روایت کرتے ہیں کہ

''حضرت عائشہ صدیقہؓ فرض نماز میں عورتوں کے درمیان کھڑی ہوکر امامت کرواتی تھیں۔''

(مصنف عبدالرزاق ؛ رقم: ۵۰۸۶، سنن دار قطنی ۴۰۴/۱، سنن بیہقی ۱۳۱/۳)

امام نوویؒ نے المجموع (۱۹۹/۴) میں اس حدیث کی سند کو صحیح قرار دیا ہے اور امام زیلعیؒ نے نصب الرایة (۳۱/۲) میں ان کی تائید کی ہے اور امام البانیؒ نے ان کی اس صحت کو اپنی کتاب تمام المنة ص (۱۵۴،۱۵۳) میں نقل کیا ہے۔

❷ ابن ابی شیبہ (۸۹/۲) نے ابن ابی لیلیٰؒ کے طریق سے اور امام حاکمؒ (۲۰۳/۱) نے لیث بن ابی سلیم عن عطا کے طریق سے بیان کیا ہے کہ

''حضرت عائشہؓ عورتوں کو امامت کرواتیں اور صف میں ان کے درمیان کھڑی ہوتیں۔''

❸ عمار دہنی اپنے قبیلہ کی حجیرة نامی ایک عورت کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ

© rasailojaraid.com

''اُمّ سلمہؓ ان کو امامت کرواتیں اور ان کے درمیان میں کھڑی ہوتیں۔'' (الام: رقم ۳۱۵)

اور مصنف عبدالرزاق کے الفاظ ہیں کہ

أمتنا اُمّ سلمةؓ في صلاة العصر فقامت بيننا (رقم: ۵۰۸۲)

''اُمّ سلمہؓ نے ہمیں نمازِ عصر کی امامت کروائی اور ہمارے درمیان میں کھڑی ہوئیں۔''

امام البانی نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ (دیکھئے: تمام المنۃ ص ۱۵۴)

۴ محمد بن الحصین نے ابراہیم نخعیؒ کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ

''حضرت عائشہ صدیقہؓ ماہِ رمضان میں عورتوں کو امامت کرواتیں اور ان کے درمیان میں کھڑی ہوتیں۔'' (الدرایۃ از ابن حجر: ۱/۱۴۹)

۵ عکرمہؒ سے مروی ہے کہ ابن عباسؓ نے فرمایا:

تؤم المرءة النساء تقوم في وسطهن (مصنف عبدالرزاق، رقم: ۵۰۸۳)

''عورت عورتوں کو امامت کرواتے ہوئے ان کے درمیان میں کھڑی ہوگی۔''

ان روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عورت صرف عورتوں کو امامت کرواسکتی ہے اور وہ بھی ان کے درمیان میں کھڑی ہوکر ۔یہی ازواجِ مطہرات کا عمل تھا اور یہی حبر الامۃ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا فتویٰ ہے۔

عورت کی امامت کے سلسلہ میں فقہا کا نقطہ نظر

اب ہم جائزہ لیتے ہیں کہ عورت کی امامت کے سلسلہ میں فقہا کا نقطہ نظر کیا ہے؟

امام ابن قدامہؒ فرماتے ہیں:

''اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا عورت کا عورتوں کو باجماعت نماز پڑھانا مستحب ہے یا نہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ مستحب ہے، یہ قول حضرت عائشہؓ، امّ سلمہؓ، عطا، سفیان ثوری، اوزاعی، امام شافعی، اسحاق اور ابوثور رحمہم اللہ سے مروی ہے۔ اور امام احمدؒ سے مروی ہے کہ یہ غیر مستحب ہے اور اہل الرائے کے نزدیک یہ مکروہ ہے، لیکن نماز ہوجائے گی۔ امام شافعیؒ، امام نخعیؒ اور قتادہؒ کہتے ہیں کہ نفلی نماز میں جائز ہے، فرض نماز میں جائز نہیں۔''

واقعہ یہ ہے کہ اوّل الذکر قول ہی صحیح اور آثار کے مطابق ہے، عورت کا عورتوں کی امامت کو مکروہ قرار دینا یا فرض ونفل کا فرق کرنا، اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

© rasailojaraid.com

ابوثورؒ، مزنیؒ اور امام طبریؒ کی طرف منسوب قول کی حقیقت

اب ہم جائزہ لیتے ہیں کہ ابوثورؒ، مزنیؒ اور امام طبریؒ کی طرف منسوب اس قول کہ ''عورت عورتوں کے علاوہ مردوں کی امامت بھی کرواسکتی ہے۔'' کی حقیقت کیا ہے؟ اور ان ائمہ کی طرف اس قول کی نسبت کس حد تک درست اور ان کی کلام کا صحیح مفہوم کیا ہے؟

جب ہم فقہا کی اس سلسلہ میں عبارات کے تناظر میں غور کرتے ہیں تو واضح ہوتا ہے کہ ان کی طرف اس قول کی نسبت بے محل ہے اور غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔

امام ابن قدامہؒ نے اصل حقیقت کو واضح کردیا ہے، فرماتے ہیں:

أما المرأة فلا يصح أن يأتم بها الرجل بحال في فرض ولانافلة في قول عامة الفقهاء وقال أبوثور: لا إعادة على من صلى خلفها وهو قياس قول المزني

''عام فقہا کا مسلک یہ ہے کہ عورت کسی بھی صورت میں مردوں کی امامت نہیں کرواسکتی، نہ فرض نماز میں اور نہ نفل نماز میں، البتہ ابوثورؒ کا موقف یہ ہے کہ اگر کوئی شخص عورت کے پیچھے نماز پڑھ لے تو اس کے لئے نماز کو لوٹانا ضروری نہیں ہے۔ اور مزنی کا بھی یہی نقطہ نظر ہے جو کہ انہوں نے (امام شافعیؒ کے قول پر) قیاس کرتے ہوئے اختیار کیا ہے۔''

توابوثور اور مزنیؒ کے قول کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ جو شخص بھول کر یا غلطی سے عورت کے پیچھے نماز پڑھ لے، اسے معلوم نہ ہو کہ امام عورت ہے تو اس کے لئے نماز کو لوٹانا ضروری نہیں ہے۔ چنانچہ ابن قدامہؒ اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وقال أبو ثور والمزني: لا إعادة على من صلىّ خلفه وهو لا يعلم لأنه ائتم بمن لا يعلم حاله فأشبه ما لو ائتم بمحدث

''ابوثورؒ نے فرمایا ہے کہ جس نے نادانستہ اس (عورت، مشرک یا مخنث مشکل) کی اقتدا میں نماز پڑھ لی، اس کے لئے نماز کو لوٹانا ضروری نہیں ہے، کیونکہ اس نے اس کی اقتدا کی ہے جس کی حالت کا اسے علم نہیں۔ تو اس کا حکم بھی اس شخص کی طرح ہے جو بے وضو امام کی اقتدا کرتا ہے۔''

ثابت ہوا کہ مزنیؒ کی طرف عورت کے لئے مرد کی امامت کے جواز کا قول منسوب کرنا غلط

ہے۔ جس نے ان کی طرف یہ قول منسوب کیا ہے ، اسے دراصل اس قول: إن كل من صحتْ صلاته صحت أمامتُه سے غلط فہمی ہوئی ہے، حالانکہ یہ ایک عمومی قاعدہ ہے۔

❁ جہاں تک ابن جریرؒ کی طرف اس قول کی نسبت کا تعلق ہے تو انہوں نے اپنی کسی کتاب میں اس کی تصریح نہیں کی، البتہ ابن رشدؒ نے بداية المجتهد میں ابن جریرؒ اور مزنی کی طرف اس قول کو منسوب کرتے ہوئے اسے شاذ قرار دیا ہے۔

نیز یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ طبری دو اشخاص ہیں، ایک اہل سنت میں سے ہے اور دوسرا شیعہ ہے۔ لہٰذا یہ تعین بھی ضروری ہے کہ یہ ابن جریر طبری شیعہ ہے یا سنی؟

قرین قیاس بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ یہ ابن جریر شیعہ ہے، کیونکہ عورت کی امامت شیعہ کے ہاں جائز ہے نیز یہ بات بھی ثابت ہوچکی ہے کہ اس حدیث کا مرکزی راوی الولید بن عبداللہ جمیع شیعہ ہے تو کوئی بعید نہیں ہے کہ یہ ابن جریر بھی شیعہ ہو۔

میں عرصہ سے یہ سنتا آرہا تھا کہ ابن جریر طبری وضو میں پاؤں پر مسح کا قائل ہے اور اس کا موقف یہ ہے کہ ”أرجلِكم میں لام کے نیچے کسرہ کی قراءت کی بنا پر آدمی کو اختیار ہے کہ چاہے تو پاؤں کو دھولے اور چاہے تو ان پر مسح کرلے۔“ لیکن بعد میں جب میں نے تحقیق کی تو واضح ہوا کہ اس سے مراد وہ معروف ابن جریر طبریؒ نہیں ہے، بلکہ یہ ابن جریر شیعہ ہے جو پاؤں پر مسح کے جواز کا قائل ہے اور غلط فہمی سے بلا سوچے سمجھے اس قول کو معروف ابن جریر کی طرف منسوب کردیا گیا ہے۔

چنانچہ حقیقت یہی معلوم ہوتی ہے کہ عورت کی امامت کے جواز کا قائل ابن جریر شیعہ ہے۔ بالفرض اگر ان سے یہ قول ثابت ہو بھی جائے تو تب بھی یہ شاذ ، صحیح احادیث اور جمہور اُمت کے خلاف ہونے کی وجہ سے نا قابل التفات ہے۔

اور ایسے شاذ اقوال کی تلاش اور جستجو کرنا شریعت کی نظر میں انتہائی مذموم ہے اور سلف نے ایسے شخص کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا ہے جو علما کے شاذ اقوال اکٹھے کر کے امت میں فتنہ کا بیج بوتا ہے۔ امام بیہقیؒ وغیرہ نے اسماعیل القاضی کے حوالہ سے ذکر کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ

”میں ایک دفعہ معتضد کے پاس حاضر ہوا جو بنوعباس کا ایک فرمانروا گزرا ہے، تو انہوں نے

© rasailojaraid.com

www.KitaboSunnat.com

ایک کتاب میری طرف بڑھائی۔ میں نے دیکھا کہ اس میں علما کی لغزشوں اور تفردات کو بمع ان کے دلائل کے جمع کیا گیا تھا۔ چنانچہ میں نے کہا کہ اس کتاب کا مصنف کوئی زندیق ہوسکتا ہے۔ خلیفہ نے پوچھا: یہ کیوں؟ تو میں نے جواب دیا: یہ تمام باتیں صحیح نہیں ہیں۔ جس نے متعہ کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، اس نے نشہ اور غنا کو جائز قرار نہیں دیا۔ اور پھر کون عالم ہے جس سے کوئی لغزش سرزد نہ ہوئی ہو؟ اور جس نے علما کی لغزشوں کو جمع کیا اور پھر انہیں اختیار کرلیا اس کا دین چلا گیا۔ یہ سن کر خلیفہ معتضد نے اس کتاب کو جلانے کا حکم دے دیا۔''

(سیر أعلام النبلاء :۱۳/۴۶۵)

امام احمدؒ نے تو یہاں تک کہا ہے کہ

''جس شخص نے نبیذ کے بارے میں اہل کوفہ کے قول پر عمل کیا اور سماع کے متعلق اہل مدینہ کے قول پر عمل کیا اور متعہ کے بارے میں اہل مکہ کے قول پر عمل کیا تو ایسا شخص فاسق ہے۔''

بلکہ امام اوزاعیؒ نے تو ایسے شخص کو کافر قرار دیا ہے۔ اور ابن حزمؒ نے ایسے شخص کو دین اور اللہ کے خوف سے عاری قرار دیا ہے جو اپنی ہوائے نفس کی تسکین کے لئے شاذ اقوال کو تلاش کرتا ہے۔ (الموافقات :۴/۱۴۷) نیز ابن عبدالبرؒ، ابن حزمؒ، امام باجیؒ اور ابن صلاحؒ نے اس طرح رخصتوں اور شاذ اقوال کو تلاش کرنے کی حرمت پر علما کا اجماع نقل کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ علما سے منسوب رخصتوں اور شاذ اقوال کی اشاعت کرنے والے لوگ روحانی مریض ہیں اور ان کے دل میں کجی ہے جس کی وجہ سے وہ حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط کرتے ہیں اور حق کو چھپاتے ہیں۔ یہ اپنے تئیں علم کا دعویٰ کرنے والے دراصل جاہل ہیں اوراعداءِ اسلام کے اشاروں پر ناچ رہے ہیں اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازش کررہے ہیں۔ یہ لوگ یہود و نصاریٰ کے مفادات کو شرعی جواز فراہم کرتے ہیں۔ کبھی بیت المقدس پر یہود کے ناجائز قبضہ کو جائز قرار دیتے ہیں تو کبھی رقص وسرود کے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں اور کبھی عورت کی مردوں کی امامت پر رطب اللسان ہیں جس کے پیچھے ان کے دراصل مخصوص اہداف ہیں جن کو وہ بروئے کار لانا چاہتے ہیں۔ اسلام کے خلاف سازشیں کرنے والوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ ضرور انہیں ان مکاریوں کی سزا دے گا۔

www.KitaboSunnat.com

سلف صالحین کے نزدیک حدیث اُمّ ورقہ کا مفہوم

اب ہم اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ سلف صالحین نے اس حدیث کا کیا مطلب لیا ہے؟ یہ اس صورت میں ہے کہ اس حدیث کو قابل حجت تسلیم کرلیا جائے، وگرنہ اوّلاً تو ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ یہ حدیث حسن اور قابل حجت ہے۔ اور گذشتہ اوراق میں ہم تفصیل کے ساتھ اس روایت کا ضعیف اور نا قابل حجت ہونا واضح کر چکے ہیں۔

لیکن بالفرض اگر ہم اس حدیث کو قابل حجت تسلیم کر بھی لیں تو بھی اس کا وہ مطلب نہیں ہے جو یہ اشراقی فرقہ مراد لے رہا ہے۔ اس حدیث کا مطلب بجز اس کے کچھ نہیں ہے کہ عورت کی امامت فقط عورتوں کے لئے جائز ہے۔ اس حدیث سے عورت کی مردوں کے لئے امامت کا جواز کشید کرنا قطعاً غلط ہے۔

اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ جتنے بھی محدثین اور ائمہ نے اس حدیث کو ذکر کیا ہے، انہوں نے اس سے عورت کی عورتوں کے لئے امامت پر ہی استدلال کیا ہے اور محدثین نے اس پر جو ابواب قائم کئے ہیں، وہ بھی عورت کی عورتوں کے لئے امامت کے ہی ہیں اور تمام سلف صالحین نے بھی اس سے یہی سمجھا ہے، لہٰذا ہمیں اللہ کے فرمان: ﴿اَلَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ أَحْسَنَهٗ﴾ (الزمر:۱۸) کے تحت اسلاف کی اس تشریح پر عمل کرنا چاہیے اور لغوی جھمیلوں، تعمیماتِ بعیدہ سے قطع نظر ہوکر اپنی طرف سے کوئی ایسا مطلب کشید نہیں کرنا چاہیے جو سلف صالحین کی تشریحات سے متصادم ہو۔ خوارج اور دیگر گمراہ فرقے جنہوں نے اسلام سے انحراف کی راہ اختیار کی، اس کے پیچھے بھی دراصل سلف صالحین کی اتباع سے گریز پائی ہی کارفرما تھی۔

صحابہ کرامؓ جو براہِ راست چشمہ نبوت سے سیراب ہوئے، پھر ان کے فیض یافتگان تابعین، ائمہ حدیث اور ائمہ فقہا جو عربی زبان کی باریکیوں کو ہم سے زیادہ جانتے تھے، ان میں سے کسی نے بھی اس حدیث کا یہ مفہوم مراد نہیں لیا، جملہ محدثین نے اس حدیث کے اوپر إمامة المرأة النساء کا عنوان قائم کیا ہے۔

پھر دار قطنیؒ کی روایت میں خود رسول اللہ ﷺ سے اس کی تصریح موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ اُم ورقہؓ کو حکم دیا کہ وہ اپنے گھر کی عورتوں کی امامت کروائے۔

www.KitaboSunnat.com

حدیث کے ان الفاظ کو دار قطنی کے الفاظ قرار دینا امام دار قطنیؒ پر بہتان ہے کہ نعوذ باللہ اُنہوں نے اپنے الفاظ کو رسول اللہ ﷺ کے الفاظ میں شامل کر دیا۔ اور اسلاف کی تصریحات سے بھی اس بہتان کی تائید نہیں ہوتی۔ امام ابن حزمؒ فرماتے ہیں :

> ''عورت کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ عورتوں کی امامت کروائے ،اس کی ممانعت کی دلیل اللہ کے رسول ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ ''عورت مرد کی نماز کو توڑ دیتی ہے۔ لہٰذا نماز میں اس کا مردوں کے پیچھے کھڑا ہونا اور امام کا آگے کھڑا ہونا ضروری ہے۔ اگر عورت آگے کھڑی ہوگی تو اس سے مرد کی نماز بھی ٹوٹ جائے گی اور عورت کی نماز بھی ٹوٹ جائے گی۔ اس کے برعکس عورت عورت کی نماز کو نہیں توڑتی۔''

آخر میں، میں اصحابِ اشراق کو ایک بات کی طرف توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں اور برادرانہ نصیحت کرتا ہوں کہ وہ مسائل میں اسلافِ امت کے خلاف شاذ اقوال کو تلاش کرنے اور اسے اُمت میں فتنہ کا باعث بنانے سے احتراز کریں اور یہ دین کی کوئی خدمت نہیں ہے جس کو آپ لوگ نیکی سمجھ کر ادا کر رہے ہیں۔ اللہ نے اگر آپ لوگوں کو علم کی دولت سے بہرہ ور کیا ہے تو اسے اعداءِ اسلام کے خلاف صرف ہونا چاہیے، نہ کہ دشمنوں کی حمایت میں۔ اور کسی بھی مسلمان کو شیطان کے ان پیروکاروں کا رویہ اختیار نہیں کرنا چاہیئے جس کا ذکر اللہ نے قرآن میں کیا ہے:﴿اَلَّذِیْنَ حُمِّلُوْا التَّوْرَاۃَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْھَا کَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ أَسْفَارًا ﴾ انسان کو یہ بات نظر انداز نہیں کرنی چاہیئے کہ ایک دن اللہ کے سامنے کھڑے ہونا ہے اور اس دن ، کان، آنکھ اور دل ہر چیز کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

ایک حیا باختہ اور اسلام بیزار عورت جو اس فتنہ کی روح رواں ہے ،اس کا دفاع کرنا اور اس کے لئے دلائل مہیا کرنا، اسلام کی کون سی خدمت ہے؟

ایک افسوسناک خبر : مولانا محمد سعید سلفی مؤرخہ ۷/اپریل ۲۰۰۵ء کو حرکتِ قلب بند ہوجانے کی وجہ سے اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ إنا للہ وانا الیہ راجعون آپ ۲۵ سال تک سید داود غزنویؒ کے معتمد ساتھی اور خزانچی رہے۔ وسیع مطالعہ کے حامل، وسیع ذاتی لائبریری کے مالک اور تہجد گزار بزرگ تھے۔ نمازِ جنازہ شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ مدنی نے پڑھائی۔ جنازہ میں مولانا محمد حسین شیخوپوری، سید عبد الشکور شاہ، حافظ عبد الرزاق سعیدی اور مولانا سعید چنیوٹی و دیگر اہل علم نے شرکت کی۔ اللہ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور ان کی کوتاہیوں ،لغزشوں سے درگزر فرمائے۔

www.KitaboSunnat.com